درس گاہ کربلا کے چند سبق

صفوۃ العلماء آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد نقوی صاحب طاب ثراہ

یوں تو زمانہ میں ہزاروں انقلاب آئے۔ دنیا نے سیکڑوں کروٹیں بدلیں، نہیں معلوم کتنی آزاد قومیں غلام بنیں اور کتنے غلاموں نے طوق غلامی اتار پھینکا۔ بڑی بڑی خونریز جنگیں ہوئیں، کتنی ہی آبادیاں ویرانوں اور ویرانے بستیوں میں تبدیل ہو گئے۔ ایسے مصلح بھی اس مفسدہ پرواز دنیا میں آئے جنھوں نے بغیر تیر چلائے، بغیر تلوار کو بے نیام کئے دار و رسن کا استقبال کرکے تاریخ کے دھارے موڑ دیئے۔ انسانی طرز فکر کو بدل دیا۔

لیکن واقعۂ کربلا اپنے انوکھے انداز، اچھوتے طرز، بے مثال قربانیوں او رمقصد قربانی کی اہمیت، اپنے بعد چھوڑے ہوئے اثرات کے لحاظ سے اب تک لاجواب رہا ہے اور آئندہ بھی بے مثال رہے گا۔ کربلا کے دل ہلا دینے والے حادثۂ عظمیٰ سے قبل مسلمان چند ہی سال میں اپنے رسول کی بتائی ہوئی تعلیم کو فراموش کر چکے تھے۔

مسلسل ظلم و جبر نے ان کے احساسات مردہ کر دیئے تھے رسولؐ کی آنکھیں دیکھے ہوئے، علیؑ کی سیرت پرکھے ہوئے، حسنؑ کے حسن اخلاق کو آزمائے ہوئے مسلمان اب اتنے گر چکے تھے، ان کی ہمتیں اتنی پست ہو چکی تھیں کہ بداخلاقیوں درندگیوں کے انتہائی مظاہرے اور خلافت رسولؐ کے نام پر ہونے والے شرم ناک تماشے اور تو اور صحابیت کے مدعی افراد تک کی رگ حمیت کو جنبش نہ دے سکتے تھے۔

لیکن کربلا کے چٹیل میدان میں ظلم و ستم کا آخر وقت تک مقابلہ کرکے رگ گردن کٹانے والوں نے رعب و ظلم کی چھائی ہوئی بدلیوں کو چھانٹ دیا اور کفر کے پھیلائے ہوئے غبار کو اس طرح منتشر کر دیا کہ اسلام کا آفتاب پھر اپنی اگلی چمک دمک کے ساتھ عالم کو روشن و منور کرنے لگا۔ مرنے والے مر گئے لیکن مسلمانوں کے احساسات مردہ کو زندہ کر گئے۔ انھوں نے اپنی جانیں دیں مگر جرأت مومن میں جان ڈال دی، پھر ظالم کے مظاہر شوکت و حشمت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سر دربار اسے ٹوکا جانے لگا پھر شوق رسن و دار اُبھر آیا۔ پھر نیزوں کو دل میں جگہ دینے، تلواروں کو گلے لگانے، خنجروں کو چومنے کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ گو کربلا کی جنگ صرف چند گھنٹے میں ختم ہو گئی لیکن نہیں معلوم یہ لڑائی کس انداز سے لڑی گئی تھی کہ آج چودہ صدی کے بعد بھی ہر مفکر کو اپنے انداز فکر کے لحاظ سے اور ہر طالب علم کو اپنے ذوق طلب کے معیار پر بہت کچھ مل جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ حسینؑ کا مقصد اس عظیم قربانی سے ایک تھا اور صرف ایک یعنی اسلامی تعلیمات کو اس کے صحیح خدوخال میں باقی رکھنا۔ مقصد رسالت مآبؐ کی حفاظت کرنا اور اس طرح رضاء الٰہی

حاصل کرنا مگر اس مقصد کے لئے (باشارۂ قدرت والہام ربانی) انداز جنگ کچھ ایسا اختیار کیا گیا کہ تنہا یہی واقعہ ہر جادۂ فکر ونظر کے لئے فانوس ہدایت بن گیا۔ کون بڑے سے بڑا فلسفی اور علامہ دہر ہے جو کسی مختصر مضمون نہیں بڑی سے بڑی کتاب میں بھی تمام تعلیمات حسینی کو ایک جگہ محصور کرسکے لیکن بملاحظہ: ''المیسور لا یترک المعسور'' اور ''مالا یدرک کله لا یترک کله''۔ آیئے آج حسینی درسگاہ سے کچھ درس لینے کی کوشش کریں۔

ولید کے مطالبۂ بیعت پر امامؑ مدینہ چھوڑ کر مکہ کا سفر کرتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ پہاڑوں سے گھرا ہونے کی وجہ سے مکہ مدافعتی جنگ کے لئے زیادہ موزوں تھا یا اس لئے کہ حرم خدا ہونے کی وجہ سے مسلمان دور دراز مقامات سے آتے رہتے تھے لہٰذا مختلف بلاد اسلامی سے روابط پیدا کرنے کے زیادہ مواقع تھے۔ لیکن یہ کیا کہ جب اطراف عالم سے مسلمان حج کی غرض سے جمع ہو رہے تھے۔ امام حسینؑ نے مکہ کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ امام نے اپنے اس طرز عمل سے یہ سبق دیا کہ شعائر اللہ کی کیا عظمت ہے؟ گویا آپ نے فرمایا کہ میں بے پناہ مصائب برداشت کرلوں گا۔ سفینۂ اہل حرم کو ظلم وستم کے تھپیڑوں کے سپرد کردوں گا لیکن حرم رسولؐ اور حرم خدا کی عظمت برباد نہ ہونے دوں گا۔ روانگیٔ مکہ کے وقت امامؑ کے ساتھ ساتھیوں کی اچھی خاصی تعداد تھی ایک چھوٹا سا لشکر ہمراہ تھا۔ بظاہر چاہئے تھا کہ راہ میں جن جن بستیوں سے گزرتے کامیابی کی امیدیں دلا کر لوگوں کو ساتھ لیتے جاتے، عہدوں کی لالچ دے کر دور دور سے بااثر افراد کو مدد کے لئے بلاتے۔ اس بادشاہ کا مقابلہ تھا جس کی حدود سلطنت عرب وعجم کو پھاند کر افریقہ اور ہندوستان تک پہنچ چکی تھیں۔ مگر امامؑ نے عام دنیا طلب سیاست دانوں کے جادے سے الگ ہٹ کر جو ساتھ تھے ان میں سے بھی بہت سوں کو ظاہری فتح وظفر سے مایوس کرکے اپنے سے جدا کردیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ جو دنیا طلبی میں ساتھ ہوگا وہ درہم ودینار سے مایوس ہوکر ساتھ چھوڑ بھی دے گا اور جو مقصد کی اہمیت کو محسوس کرکے ہمراہ ہوگا وہ ہر طوفان بلا کے مقابلے میں کوہ استقلال بن جائے گا۔

ابھی کچھ ہی مسافت طے کی تھی کہ خبر شہادت جناب مسلمؑ ملی۔ اہلبیتؑ میں پہلی صف ماتم بچھی۔ امامؑ نے یتیمۂ مسلمؑ کو بلا کر کچھ ایسا مظاہرۂ شفقت فرمایا کہ بچی نے گھبرا کر پوچھا کیوں چچا میرے باپ کی تو خیر ہے؟ یہ مظاہرۂ محبت تو آپ یتیموں سے فرماتے ہیں۔ یہ بظاہر ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امام کا یتیموں اور بے والی وارث افراد سے کیا طرز عمل تھا اپنے بچوں کے مقابلے میں بھی، یتیموں سے ایسا ممتاز انداز شفقت تھا کہ پروردۂ آغوش بچی فوراً متنبہ ہوگئی۔ مسلمانوں کو امامؑ کے اس طرز عمل سے سیکھنا چاہئے کہ وہ ایتام اور بے وارث افراد سے کیا برتاؤ کریں۔ ابھی کوفہ پہنچنے میں چند منزلیں باقی ہیں کہ حُر کا رسالہ سدراہ ہوتا ہے۔ فوج دشمن امامؑ کے مقابلے میں ڈٹ جاتی ہے۔ امامؑ دیکھتے ہیں کہ دشمن کے جتنے سپاہی ہیں سب پیاس سے بے حال ہیں۔ گھوڑوں تک کی زبانیں منہ سے باہر ہیں۔ کسی موقع پرست سردار

لشکر کے لئے اس سے بڑھ کر کون سا موقع تھا۔ ایک ہی حملہ میں تھکے ہارے اور پیاس سے جاں بلب لشکر کے قدم اکھڑ جاتے مگر امام نے حکم دے دیا کہ جتنے پیاسے ہیں ان سب کو سیراب کر دیا جائے، خود بنفس نفیس سپاہیوں کو پانی پلا کر اپنی فوج کا ذخیرۂ آب ختم کر دیا۔ دنیا پرست جو چاہیں کہیں لیکن اپنے اس عمل سے معلم اخلاق نے خلق و مروت اور ہمدردیٔ انسانی کا وہ لاجواب سبق دیا ہے جو قیام قیامت تک یادگار رہے گا اور تاریخ عالم جس کا جواب پیش کرنے سے قاصر رہے گی۔

حسینی سپاہ دشمن کے لشکر کو کہنیوں اور ہاتھوں سے ڈھکیلتی ہوئی زمین کربلا تک پہنچ گئی۔ لشکر کا پڑاؤ پڑ گیا۔ خیام حسینی نہر کے کنارے لگا دیئے گئے۔ دشمن کا پیغام آتا ہے کہ خیمے نہر کے کنارے سے اکھاڑ دیئے جائیں۔ اس جگہ سردار فوج یزیدی کا قیام ہوگا۔ بہادروں کے تیوروں پر بل پڑ گئے، شیر بپھر گئے، سپاہیوں کے ہاتھ قبضوں پر گئے۔ لیکن امام نے سر جھکا کر کہا: اچھا اگر یہی اصرار ہے تو ہم اپنے بچوں کو لے کر تپتے ریگستان میں قیام کر لیں گے مگر اپنی طرف سے جنگ میں پہل نہ کریں گے۔ دیکھنے والے دیکھیں کہ امام حسینؑ نے کس سلامت روی اور صلح جوئی کا مظاہرہ فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کو امکان کی آخری حدوں تک کشت و خون سے دامن بچانا چاہئے۔

سعد کا نحس بیٹا وارد دشت کربلا ہوتا ہے۔ گفتگوئے صلح کا آغاز ہوتا ہے۔ امام اپنی طرف سے نرم سے نرم شرائط صلح پیش فرماتے ہیں۔ خود عمر سعد کے سے دشمن کو بھی امام کے صلح پسندانہ رویہ کا ابن زیاد کو اپنے فرستادہ خط میں اقرار کرنا پڑا۔ صلح کی گفتگو ابن زیاد کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ناکام ہوئی۔ دشمن کی فوج نے ۹؍محرم کو وقت عصر خیام امام کی طرف حملہ کر دیا۔ امام کی خواہش پہ بمشکل ایک شب کی مہلت ملی۔

علم امامت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی ظاہری حالات کے لحاظ سے اب بچنے کی کوئی صورت نہ تھی دشمن کی لاتعداد فوج نے امام کے گنتی کے ہمراہیوں کو ہر طرف سے نرغہ میں لے لیا تھا۔ اس حالت میں نتیجہ معلوم تھا۔ اب تو جتنی بھی جلد معرکۂ کارزار ختم ہو جاتا اتنے ہی شدائد کم سے کم رہتے۔ کم از کم مجاہد شب اور روز عاشورہ کی شدید گرمی کی ناقابل قیاس تشنگی سے محفوظ رہ جاتے لیکن امامؑ ایک شب کی مہلت عبادت خدا کے لئے مانگ کر ہر مسلمان خصوصاً مومنین کو سبق دیتے ہیں کہ نماز اور تلاوت کلام مجید کا کیسا ذوق و شوق ہونا چاہئے۔

پوری شب عبادت میں بسر کرنے والے مجاہد امام وقت کی اقتداء میں تیمم سے فریضۂ سحری ادا کرتے ہیں۔ دشمن کے تیر مصلوں پر گر کر پیغام جنگ لاتے ہیں۔ بوڑھے جوش شجاعت میں جوان اور بچے ولولۂ جہاد میں بڑوں کے ہمسر ہوتے ہیں، جھکی ہوئی کمریں پٹکوں سے کس کر باندھی جاتی ہیں، صفوف جماعت صف جنگ میں بدلتی ہیں مگر جو مساوات کا سبق نماز نے دیا تھا اب بھی باقی ہے۔ حبشی و آقا اور غلام پہلو بہ پہلو ہوکر، شانے سے شانہ ملا کر دنیا کو مساوات کا درس دیتے ہیں۔

مجاہد زخموں پر زخم کھا کر گرنے لگے امامؑ نے جس طرح دودمان ہاشمی کے نونہالوں آغوش عصمت کے پروردہ اکبر وقاسم عون و محمد کے سر زانوں پر رکھے۔ اسی طرح غلاموں کو بھی یہ سرفرازی حاصل ہوئی کہ رومی اور حبشی غلاموں نے سردار جوانان جنت کے زانو پر سر رکھ کر جان دی۔

ایک حبشی غلام جوش شجاعت میں جھومتا ہوا آگے بڑھا، دست بستہ عرض کی۔ مولاؑ مرنے کی اجازت ہو۔ امام نے نگاہ محبت ڈال کر فرمایا: اے جون جب تک آرام و راحت تھی ہمارے ساتھ رہے اب کیا ضرورت کہ ہماری وجہ سے اپنے کو مصیبت میں ڈالو۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں جہاں چاہے چلے جاؤ۔ غلام کے تیور بدلے، واہ مولا واہ آپ کی بدولت ہمیشہ تو نعمتوں سے متمتع ہوا، آپ کے دسترخوان کے ٹکڑے توڑتا رہا اور مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ دوں۔ یہ غلام کو دنیا والوں کی نگاہ میں اپنی پستیٔ حقارت کا احساس تھا لہٰذا دست بستہ عرض کی۔ مولا میں جانتا ہوں میرا خون سیاہ ہے، جسم سے بدبو آتی ہے، حسب و نسب پست ہے مگر خدا کی قسم اپنے بدبودار جسم کا یہی سیاہ خون بنی ہاشم کے پاک و پاکیزہ خون میں ملا کر رہوں گا۔

جوَن گھوڑے سے گرے۔ امام سرہانے گئے دست دعا بلند کئے۔ مالک! جون کو اپنے رنگ کی سیاہی اور جسم کی بدبو کا بہت احساس تھا۔ پالنے والے اس کے جسم کی سیاہی کو نور سے اور بدبو کو خوشبو سے بدل دے۔ دعائے امام کا اثر یوں ظاہر ہوا کہ شہداء کربلا میں کسی جسم میں نور نہ تھا، بدن میں خوشبو نہ تھی مگر اس باغ شہادت میں بھی ممتاز طریقہ پر جون کا جسم مہک رہا تھا اور نور کا قبّہ ہر نگاہ کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔

اصحاب درجہ شہادت پر فائز ہو چکے۔ اقربا بھی شہید ہو چکے، علی اکبرؑ میدان جنگ سے باپ کو آواز دیتے ہیں۔ نوجوان فرزند شبیہہ پیغمبرؐ بوڑھے باپ کے سامنے دم توڑ رہا ہے، برچھی کی کھٹک پہلو بدلوا رہی ہے، شیر فاطمہؑ خون بن کر حسینؑ کے پیش نگاہ سینہ سے جاری ہے ایسے وقت میں کس انسان کے ہوش و حواس بجا رہ سکتے ہیں لیکن جب بہن گھبرا کر خیمہ سے نکلی تو حسینؑ نے جوان کی میت رکھ دی۔ آنسو پوچھ ڈالے، دھڑکتے دل کو سنبھالا اور زینبؑ کو عبا کا سایہ کر کے خیمہ میں پہنچا کر مسلمان عورتوں کو پردہ کی اہمیت بتائی۔

آفتاب ڈھلتے ڈھلتے نقطہ عصر پر پہنچا۔ امام میدان جنگ میں یکہ و تنہا کھڑے ہیں۔

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرت الناسے
نہ اکبرے، نہ علی اصغرے نہ عباسے

دائیں اور بائیں دیکھ کر آواز دیتے ہیں:
مولا! کیا اب بھی امید تھی کہ لشکر شقاوت پیکر میں کوئی آواز حق سن سکے گا۔ کیا کفر و ظلم کے سیاہ دل میں نور ہدایت کے نفوذ کرنے کی اب بھی گنجائش ہے۔

❁❁❁